فکر و نظر--- اسلام آباد جلد:۴۱ شمارہ:۴

# مقاصدِ شریعت: ایک عصری مطالعہ

محمد نجات اللہ صدیقی ☆

عصر حاضر میں جب سے تطبیق شریعت پر زور دیا جا رہا ہے، مقاصدِ شریعت کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے، اگرچہ اردو زبان میں اس موضوع پر کم لکھا گیا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں ہماری کوشش ہو گی کہ موضوع کی اہمیت اجاگر کر کے اس میں حالیہ دلچسپی کے اسباب سامنے لائیں۔ اس کے بعد ہم تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے واضح کریں گے کہ اگرچہ ایک اصطلاح کے طور پر 'مقاصد شریعت' کا استعمال بعد میں شروع ہوا مگر ابتدائی دور میں جب مصلحت کی بات ہوتی تھی تو بھی مقصود یہی موضوع ہوتا تھا۔ مقاصد شریعت پر پہلی جامع بحث شاطبی کے ہاں ملتی ہے۔ اس کی جھلکیاں دکھا کر ہم مقاصد شریعت کی روایتی فہرست پر تنقیدی نظر ڈالیں گے۔

مقاصد شریعت کے بیان سے دو فائدے پیش نظر رہے ہیں: احکام شریعت کا ایک باہم مربوط فہم اور نئے حالات میں نئے مسائل میں احکام شریعت کی دریافت۔ ہم یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ آج کل مسلمانوں کو جن حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے، خاص طور پر معاشی معاملات، ملکی سیاست اور بین الاقوامی تعلقات میں انھیں جو نئے مسائل در پیش ہیں ان میں رہنمائی کے لیے مقاصد شریعت کی ایک وسیع تر فہرست کی ضرورت ہے۔ فہرست مقاصد میں توسیع کا جو رجحان پہلے سے موجود تھا وہ اب قوی تر ہو گیا ہے۔ روایتی فہرست: دین، جان، عقل، نسل اور مال کے ساتھ انسانی شرف و عزت، آزادی اور انفرادی حقوق، امن و امان اور نظم و نسق، ازالۂ غربت اور کفالت عامہ، دولت و آمدنی کی تقسیم میں پائی جانے والی ناہمواری کو کم کرنا اور بین الاقوامی سطح پر پُرامن تعامل جیسے مقاصد کا اضافہ مناسب ہوگا۔ آخر میں اس بات پر زور دیا جائے گا کہ مقاصد شریعت کے اس بیان سے اسلامی تحریکوں کو اپنی ترجیحات مقرر کرنے میں مدد ملے گی اور مسلمان افراد گروہوں اور حکومتوں کو اپنے طرزعمل اور پالیسیوں کی از سر نو تحدید و تعیین میں آسانی ہوگی۔

## موضوع کی اہمیت

مقاصد شریعت، مصالح مرسلہ، اسرار شریعت، معانی اور حِکَم جیسے الفاظ سے تعبیر کیا جانے والا یہ

☆ وزیٹنگ پروفیسر، اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، اسلامی ترقیاتی بنک، پوسٹ بکس ۹۲۰۱، جدہ، سعودی عرب

تصور شروع ہی سے موجود رہا ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو حکم دیتے ہیں ان سے انسانوں کی ہی بھلائی مقصود ہے، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، اسے ہم انسانوں سے کچھ نہیں لینا۔ انسانوں کے اخروی اور دنیوی مفادات سامنے رکھ کر انہیں جو احکام دیے گئے ہیں ان میں سے بعض کے بارے میں قرآن و سنت میں بتا دیا گیا ہے کہ ان سے کیا فائدے ہوں گے اور خاص کر دنیاوی امور سے متعلق امور میں، بعض پر غور کرنے سے ان کے فائدے سمجھے جا سکتے ہیں۔ یہ بات کہ ان مصالح اور مقاصد کو سمجھ کر بیان کیا جائے جن کا شارع نے لحاظ رکھا ہے دو اسباب سے اہم ہے۔ اگر احکام شریعت کو موتیوں سے تعبیر کیا جائے تو مقاصد شریعت کا بیان ان موتیوں کو ایک لڑی میں پرو کر ہار بنا دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر، مقاصد شریعت کا بیان احکام شریعت کو ایک باہم مربوط اور واضح اہداف کے حامل نظام کے طور پر سمجھنا ممکن بنا دیتا ہے۔ مقاصد شریعت کا دوسرا اور وقت کے ساتھ جس کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ان نئے مسائل میں حکم شریعت معلوم کرنے میں مددگار ہوتے ہیں جن کے بارے میں کوئی حکم موجود نہ ہو۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شریعت کا کوئی حکم کسی خاص حالت میں مقاصد شریعت کے خلاف نتائج کا حامل نظر آتا ہے۔ ایسا ہو تو نیا حکم ایجاد کیا جائے گا جو شریعت کے مقصد کے مطابق ہو، چنانچہ نبی اکرم ﷺ، خلفائے راشدینؓ اور ائمہ فقہ سے متعدد ایسے فیصلے منقول ہیں جن کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

## تاریخی پس منظر

ہمارے علم کی حد تک مقاصد شریعت کی اصطلاح سب سے پہلے امام الحرمین الجوینی (وفات ۴۷۸ھ/۱۰۸۵ء) نے استعمال کی۔ اصولِ فقہ پر ان کی کتاب 'البرھان' میں مقصد، مقاصد اور قصد وغیرہ الفاظ کثرت سے استعمال کیے گئے ہیں۔(۱) مگر نئے اجتہاد کے آلہ کے طور پر مقاصد شریعت کا مؤثر استعمال ان کی دوسری کتاب 'الغیاثی'(۲) میں کیا گیا ہے۔ یہ کتاب جوینی نے نظام الملک کے لیے لکھی تھی جو الپ ارسلان کے وزیر تھے بعد میں ملک شاہ کے بھی وزیر رہے۔ کہنے کو نظام الملک وزیر تھے مگر حقیقت میں وہی حکمران تھے، ان پر کسی کا حکم نہیں چلتا تھا۔(۳) البرھان کے برعکس الغیاثی کوئی اصولی تصنیف نہیں بلکہ تدبیر مملکت سے متعلق شریعت کی روشنی میں لکھا ہوا ایک ہدایت نامہ ہے جس کا مخاطب حکمران وقت ہے۔ امام جوینی لکھتے ہیں: 'حق کے متلاشی اور شریعت کی طرف بلانے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ مذاہب اور مسالک کے اختلاف کے باوجود انسانوں سے

شریعت کا مطلوب یہ رہا ہے کہ وہ تقویٰ کو مضبوطی سے پکڑیں---'۔

'چنانچہ اس قبیل کے سارے احکام کا تعلق ان چیزوں کے لیے راہ ہموار کرنے سے رہا ہے جن کی لوگوں کو طلب ہو اور جن کو وہ حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ نیز یہ کہ حلال اور حرام کے درمیان فرق کر دیا جائے اور خلق خدا کے مختلف گروہوں کے لیے احکام واضح کر دیے جائیں۔ چنانچہ دین کی نسبت سے دنیوی امور کی حیثیت سہاروں اور ذرائع کی قرار پائی تاکہ شریعتوں کے مقاصد حاصل کیے جا سکیں۔'(۴)

جوینی نے مقاصد شریعت کا حوالہ دینے کی ضرورت اس لیے محسوس کی کہ ان کے سامنے ایک ایسی صورت حال تھی جس کے بارے میں ان سے پہلے کے فقہا نے بحث نہیں کی تھی۔ ''مسئلہ'' یہ تھا کہ اگر حکمران ملک کو خطرے میں دیکھ رہا ہو مگر خزانہ خالی ہو تو دفاعی اغراض کے لیے اہل ثروت سے عشر و زکاۃ کے ماسوا مزید مال لیا جا سکتا ہے کہ نہیں۔ جوینی کا کہنا ہے کہ مقاصد شریعت کی روشنی میں اس سوال کا جواب واضح ہے۔ کلی مصالح کا تحفظ ضروری ہے، اس کے لیے افراد کے مال و املاک میں سے ان کی مرضی کے علی الرغم بھی مزید محاصل وصول کیے جا سکتے ہیں۔(۵) اسی دلیل سے انھوں نے ملک میں امن و امان قائم رکھنے اور فقروفاقہ دور کرنے جیسے مقاصد کے لیے بھی مزید محاصل وصول کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار دیا ہے۔(۶) اس ممکن اعتراض کے جواب میں کہ آپ اپنے فتویٰ کے حق میں کوئی عبارت کیوں نہیں پیش کرتے، وہ لکھتے ہیں: 'اس کی بجائے میں شریعت کے مزاج کو سامنے رکھتا ہوں اور جو کچھ دیکھ رہا ہوں اور جو سمجھ میں آتا ہے اس سے نتیجہ اخذ کرتا ہوں۔ اُن نئے حالات میں فیصلہ کرنے کا یہی طریقہ ہے جن کے بارے میں علماء کے پہلے سے تیار کردہ جواب نہ موجود ہوں۔'(۷)

امام جوینی کے شاگرد ابو حامد الغزالیؒ (وفات ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) نے مقاصد شریعت کی بات کو باضابطہ شکل دے دی، وہ لکھتے ہیں: 'مصلحت سے ہماری مراد مقصود شریعت کی محافظت ہے، اور شریعت کا مقصد خلق خدا کے سلسلہ میں پانچ چیزوں سے عبارت ہے: وہ یہ کہ ان کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کی جائے۔ ہر وہ چیز جو ان پانچ بنیادی چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہو مصلحت شمار ہو گی اور ہر وہ چیز جو ان بنیادوں کے لیے خطرہ ہو مفسدہ شمار ہو گی جسے دور کرنا مصلحت قرار پائے گا۔'(۸)

امام غزالیؒ کی یہ تحریر کسی حکمران کو سامنے رکھ کر نہیں لکھی گئی تھی بلکہ اصول فقہ پر ان کی کتاب کا ایک حصہ ہے۔ان کے زمانے تک اصول فقہ نے ایک مستقل علم کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور مصالح اور مقاصد کو اس علم میں جگہ مل چکی تھی۔ امام غزالیؒ نے آغاز ہی سے مصالح اور مقاصد کو مقاصد شریعت کی اصالت اور انہیں اصول فقہ کا ایک اہم ستون قرار دے کر ان کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

غزالیؒ کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مصالح یا مقاصد شریعت کی ایک فہرست مرتب کر دی جو آج تک ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔ غزالیؒ نے یہ بھی بتایا کہ مصلحت پہچانی کیسے جاتی ہے: 'ہم نے مصلحت کا مدار مقاصد شریعت کے تحفظ پر رکھا ہے اور مقاصد شریعت کو کتاب، سنّت اور اجماع کے ذریعہ جانا جاتا ہے۔ چنانچہ کوئی ایسی مصلحت جس کا تعلق کسی ایسے مقصد کی حفاظت سے نہ ہو جسے کتاب، سنّت اور اجماع سے سمجھا گیا ہو، اور جو ایسی نا مانوس مصلحت ہو جو شریعت سے مناسبت نہیں رکھتی، تو ایسی مصلحت باطل ہے، اسے رد کر دیا جائے گا اور جو اس کی پیروی کرے گا وہ بدعت کا مرتکب قرار پائے گا۔'(٩)

غزالیؒ کو اس بات کا پورا احساس ہے کہ کتاب و سنّت میں مقاصد شریعت کی کوئی باضابطہ فہرست نہیں ملتی، چنانچہ وہ پانچ مبینہ مقاصد کی نسبت سے واضح کرتے ہیں کہ: 'ان معانی کے مقصود ہونے کا دعویٰ کسی ایک دلیل پر مبنی نہیں ہے بلکہ ان گنت دلائل پر مبنی ہے جو کتاب و سنّت میں پائے جاتے ہیں اور (ان کی دلیل میں) حالات اور اندازے اور مختلف قسم کی علامتیں بھی سامنے رکھی گئی ہیں۔ اسی لیے ان کو مصالح مرسلہ کہا گیا ہے۔'(١٠)

یہی وہ نکتہ ہے جسے دو سو سال بعد ابو اسحاق شاطبیؒ نے اپنی کتاب الموافقات میں مزید استدلال کے ساتھ واضح کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم شاطبی کے اضافوں کا جائزہ لیں اس بات کو نوٹ کرنا ضروری ہے کہ جس چیز کو امام غزالیؒ نے 'مصلحت مرسلۂ' کا نام دیا ہے اور جسے وہ مقاصد شریعت کے ہم معنی قرار دے چکے ہیں اس کا تصور اور اس کا بھرپور استعمال امام مالکؒ کے یہاں موجود ہے جن کی وفات ١٧٩ھ/٧٩٦ء میں ہوئی۔ ان سے پہلے امام ابو حنیفہؒ، جن کی وفات ١٥٠ھ/٧٦٧ء میں ہوئی استحسان کا تصور سامنے لا چکے تھے۔ اسلامی قانون سازی یعنی پیش آمدہ مسائل میں حکم شرعی کی دریافت میں یہ تصورات وہی کردار ادا کرتے رہے ہیں جو مقاصد شریعت کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے: نص کی غیر موجودگی میں حکم تک پہنچنے، یا موجود حکم سے گریز کر کے دوسرا حکم اختیار کرنے، کی بنیاد

فراہم کرنا۔[۱۱] بظاہر امام شافعیؒ کا مسلک مختلف رہا مگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے یہاں بھی قیاس کی بنیاد اکثر ان حکمتوں اور مقاصد پر ہوتی ہے جو اس حکم کا سبب بنے، جن پر قیاس کیا جا رہا ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ کسی نہ کسی شکل میں مصالح عامہ اور مقاصد شریعت کے فہم کو نئے مسائل میں احکام شریعت کی دریافت میں ہمیشہ کلیدی حیثیت حاصل رہی ہے۔

## شاطبیؒ کے اضافے

ابو اسحٰق شاطبیؒ (وفات ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء) کا تعلق اسپین سے تھا۔ وہ اگرچہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے ہم عصر تھے مگر ان کو ایک دوسرے کے کام کی خبر نہیں تھی۔ شاطبیؒ نے واضح کیا کہ اگرچہ مقاصد شریعت، شرع سے مستنبط ہیں، جیسا کہ غزالیؒ نے بتایا، مگر ان کے سمجھنے میں عقل کو بھی دخل ہے۔ البتہ انہیں اصرار ہے کہ عقلی استدلال شرعی دلائل کے ساتھ مل کر ہی کام کرتا ہے، عقل کو قانون سازی میں کوئی مستقل بالذات مقام حاصل نہیں ہے۔[۱۲] البتہ جیسا کہ ہم آئندہ بتائیں گے ان کے نزدیک نئے مسائل میں اجتہاد کے اندر عقل ایک مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔

شاطبیؒ نے غزالیؒ کی پانچ مقاصد کی فہرست کو برقرار رکھا مگر انہیں نہ تو ان مقاصد کے اندر کسی خاص ترتیب پر اصرار ہے نہ وہ صراحت کے ساتھ یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ اس فہرست میں کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے زیادہ زور ان مقاصد کے حصول کے ان تین مدارج کے تفصیلی تجزیہ پر دیا جن کا ذکر غزالیؒ اور جوینیؒ بھی کر چکے تھے، یعنی ضروری، حاجی اور تحسینی۔ ان کی مصالح کی تعریف غزالیؒ کی تعریف سے زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے، یعنی: 'وہ جس پر انسان کی زندگی کا مدار ہو، جس پر اس کی حیثیت مبنی ہو، اور جس پر ان چیزوں کے حصول کا انحصار ہو جن کا تقاضا انسان کے شہوانی اور عقلی اوصاف کرتے ہوں۔'[۱۳]

اس بات کی تاکید کے بعد کہ اجتہاد کا عمل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تکلیف شرعی، یعنی احکام شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی ذمہ داری باقی ہے،[۱۴] شاطبیؒ نے اجتہاد کے عمل میں عقل کا کردار متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک مقاصد شریعت کی نسبت سے عقل دو مرحلوں میں کام آتی ہے۔ پہلا مرحلہ خود مقاصد شریعت کو سمجھنے کا ہے اور دوسرا ان حالات کو سمجھنے کا جو کسی زمان و مکان میں پائے جاتے ہوں جن کی نسبت سے، مقاصد شریعت کی روشنی میں، حکم شرعی تک پہنچنا مطلوب ہو۔ اس بات کا اندازہ لگانا بھی اسی کام کا حصہ ہے کہ کسی حکم کا عملی نتیجہ کیا ہوگا، اس پر عمل سے مشقت اور تنگی لازم آئے گی یا آسانی اور فراخی پیدا ہوگی۔ یہ طے کرنا بھی عقل

کا کام ہے کہ کسی خاص فرد پر یا کسی خاص مقام پر یا کسی خاص زمانہ میں کسی حکم کے وہ نتائج کیا ہو سکتے ہیں جو مقاصد شریعت سے ہٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے نا قابل قبول ہوں۔

مقاصد شریعت کا فہم شاطبیؒ کے نزدیک ان احکام شرع کے استقراء سے حاصل کیا گیا ہے جو موجود ہیں۔ مثلاً یہ بات کہ شریعت کو جان، دین، عقل، نسل اور مال کا بقا و تحفظ مطلوب ہے اگرچہ یہ بات قرآن و سنت میں ان الفاظ کے ساتھ نہیں لکھی ہے مگر قرآن و حدیث میں آئے ہوئے احکام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقاصد پیش نظر رہے ہیں۔(۱۵) ظاہر ہے کہ مطالعہ کرنا اور نتیجہ نکالنا ایک عقلی عمل ہے جو کوئی غزالیؒ یا شاطبیؒ انجام دیتا ہے اور علماء اس کی تائید کرتے ہیں۔

شاطبیؒ نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ ایک دائرہ ایسا بھی ہے جس میں اجتہاد کرنا عام مسلمانوں کا کام ہے۔ اس اجتہاد میں مقاصد شریعت کے فہم کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اگرچہ احکام شریعت جاننے کے لیے عربی زبان میں مہارت ضروری ہے لیکن جب ایک بار نصوص یا قیاس یا اجماع کے ذریعہ حکم شرعی معلوم ہو جائے تو یہ جاننے کے لیے کہ اس کا انطباق کن حالات میں ہو گا عربی دانی سے نہیں بلکہ حالات سے واقفیت ضروری ہے جو عقل کا کام ہے اور یہ کام ہر مسلمان کو خود کرنا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: 'اجتہاد کا تعلّق اگر نصوص سے استنباط کرنے سے ہو تو عربی دانی ضروری شرط قرار پائے گی مگر اس کا تعلق اس بات سے قطع نظر کہ نصوص کا مدعا کیا ہے، اگر صرف مصالح اور مفاسد کے تصور اور ان کی تعیین سے ہو، یا ایسے مصالح اور مفاسد سے ہو جن کا نصوص میں اعتبار کیا جانا مجتہدین کے نزدیک تحقیق شدہ بات ہو، تو ایسے اجتہاد میں عربی کا علم ضروری نہیں ہے بلکہ شریعت سے اجمالی اور تفصیلی طور پر مقاصد شریعت کا علم حاصل کر لینا کافی ہے۔

'اب جو کوئی یہ جان لے کہ شریعت میں حکم دینے کے مقاصد کیا ہوتے ہیں اور اس فہم میں وہ اتنا آگے بڑھ گیا ہو کہ اسے مقاصد شریعت کا علم رکھنے والا سمجھا جاسکے، خواہ اس نے یہ علم کسی عجمی زبان میں ترجمہ کے ذریعہ ہی کیوں نہ حاصل کیا ہو، تو اس سے کوئی فرق نہین پڑتا۔ وہ اور جس نے عربی زبان کے ذریعہ فہم حاصل کیا دونوں برابر ہیں۔'(۱۶)

'اگر اجتہاد کا تعلّق تحقیق مناط سے ہو تو ایسے اجتہاد میں مقاصد شریعت کا علم بھی ضروری نہیں، نہ ایسے اجتہاد کے لیے عربی داں ہونا ضروری ہے۔ ایسے اجتہاد کے لیے صرف ان باتوں کا علم ہونا ضروری ہے جن کے بغیر اس موضوع کو نہ سمجھا جا سکتا ہو۔(۱۷)

اجتہاد کے عمل میں عقل عامہ اور عام مسلمانوں کا کیا رول رہا ہے اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں شاطبی کا فکر ان سطروں کے ذریعہ سامنے آتا ہے: 'اوپر ہم واضح کر چکے ہیں کہ اجتہاد کی ایک قسم علماء کے لیے مخصوص ہے اور ایک ان سارے لوگوں کے لیے ہے جو (احکام شرع کی تابع داری پر) مکلف ہیں...... 'اس کی تفصیل یہ ہے کہ مکی احکام، جن کو اوّلیت حاصل ہے، زیادہ تر عمومی تھے، مقید نہ تھے۔ ان پر سمجھ دار لوگ اپنی عادات کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتے تھے اور یہ عمل اعلیٰ اخلاقی اقدار کے مطابق ہوتا تھا...... 'صرف وہ امور اس سے مستثنیٰ ہیں جن کی تحدید سے عقل کو کوئی علاقہ نہیں، مثلاً نماز کی تفصیلات، اور اسی جیسے دوسرے احکام۔ چنانچہ ان (مکی احکام) کی تطبیق مکلف افراد کی سمجھ بوجھ اور عادات کے حوالہ تھی۔ یہ ان کا کام تھا کہ اجتہاد کریں کہ وہ کیا کچھ کر سکتے ہیں، ان کلی محاسن میں سے کن کا بجا لانا کس حد تک ممکن ہے اور ان اعلیٰ قدروں کی تحصیل میں وہ کہاں تک جا سکتے ہیں..... مثلاً (اللہ کی راہ میں) مال خرچ کرنا، فقیروں کی حاجت روائی، صلہ رحمی، پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنا، قریب اور دور کے تمام مسلمانوں پر مشتمل اہل ملت کے حقوق ادا کرنا، تمام خلق خدا کے درمیان اچھے تعلقات برقرار رکھنا اور (کسی طرف سے کوئی ناگوار بات آ جائے تو) بطریق احسن جواب دینا، وغیرہ۔'(۱۸)

شاطبیؒ کا کہنا ہے کہ جب مسلمان دور دور تک پھیل گئے تو فقہاء نے ضروری سمجھا کہ جن باتوں کے سمجھنے میں اختلاف ہو سکتا ہے اور ان کی مختلف تعبیروں کے نتیجہ میں جھگڑے کھڑے ہو سکتے ہیں ان جزئی امور میں (اجتہاد کے ذریعہ) احکام شریعت کی تحدید کر دی جائے۔

'باقی رہی یہ بات کہ ان کے علاوہ مکارم اخلاق کے تقاضوں کے مطابق کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے تو فقہاء ان کی تفصیل میں نہیں گئے...... ان امور کو انھوں نے مکلف افراد کے اختیار و اجتہاد کے لیے چھوڑ دیا۔'(۱۹)

شاطبیؒ نے اسلامی قانون کے فہم اور اس کی حرکت کے ضامن اجتہاد کے کردار، نیز ان دونوں کی نسبت سے مقاصد شریعت کی اہمیت کے بارے میں اپنے یہ افکار آٹھویں صدی ہجری، چودھویں صدی عیسوی میں اسپین میں پیش کیے تھے۔ اس سے کچھ پہلے قاہرہ اور دمشق کے علمی مراکز میں اسی طرح کے افکار پیش کیے جا چکے تھے مگر وہ شاطبیؒ تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ قاہرہ کے عزّالدین ابن عبد السلام (وفات ۶۲۸ھ/۱۲۶۲ء)، دمشق کے تقی الدین ابن تیمیہ (وفات ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۸ء) اور ان کے شاگرد شمس الدین ابن القیم (وفات ۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء) کی تصانیف میں شریعت اسلامیہ کی بے پناہ

وسعتوں اور انسانی مصالح کی نسبت سے اس کے لازوال امکانات پر زور دیا گیا ہے۔[۲۰] یہاں ان مفکّروں کے کیے ہوئے سارے اضافوں کا ذکر نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس مقالہ کے موضوع کی نسبت سے صرف یہ نوٹ کرنا کافی ہوگا کہ انھوں نے مقاصد شریعت کے بیان کو کسی فہرست تک محدود نہیں کیا۔ مصالح مرسلہ پر گفتگو کرتے ہوئے ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: 'بعض لوگ مصالح مرسلہ کو جان و مال، عزت و آبرو، عقل اور دین کے تحفّظ میں محصور کر دیتے ہیں مگر ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ مصالح مرسلہ یہ ہیں کہ منافع حاصل کیے جائیں اور مضرتیں دور کی جائیں۔ مذکورہ بالا حضرات نے جو ان امور سے متعلّق رفع مضرت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے وہ مصالح مرسلہ کی دو قسموں میں سے صرف ایک پر مشتمل ہے، دوسری قسم مصالح کے حاصل کرنے پر مشتمل ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔'[۲۱]

ابن تیمیہؒ نے ان لوگوں پر تنقید کی ہے جو مقاصد شریعت کی فہرست کو صرف ان چیزوں تک محدود کردیتے ہیں جن کے تحفظ کے لیے شریعت نے کوئی حد (یعنی سزا) مقرر کی ہو چنانچہ مذکورہ بالا عبارت کے فوراً بعد لکھتے ہیں: ''دنیا میں (جلب منفعت کی مثال) وہ معاملات اور سرگرمیاں ہیں جن میں عامۃ الناس کی بھلائی مضمر ہو خواہ ان سے متعلق کوئی حدّ شرعی مقرّر کی گئی ہو یا نہیں اور دین میں (جلب منفعت کی مثال) وہ احوال و معارف، عادات اور زہد کی باتیں ہیں جن میں انسانوں کی بھلائی مضمر ہے جن سے شریعت نے منع نہ کیا ہو۔ جن لوگوں نے مصالح کو ان سزاؤں سے وابستہ کر دیا جو فساد کو دور رکھنے کے لیے مقرر کی گئی ہیں یا جو اموال یا جسم انسانی کو محفوظ رکھنے کے لیے مقرر کی گئی ہیں ان میں انہوں نے کوتاہی برتی ہے۔[۲۲]

ابن تیمیہؒ کی یہ بات اہم ہے کہ مقاصد شریعت کا بیان ایجابی قدروں پر بھی مشتمل ہونا چاہیے جو انسانوں کو صرف مضرتوں سے بچانے پر اکتفا نہ کرتی ہوں بلکہ ان کی فلاح و بہبود میں اضافہ کو بھی مطلوب قرار دیتی ہوں۔ ان کے نزدیک مقاصد شریعت کی فہرست پنج گانہ یک طرفہ اور اس اعتبار سے ناقص ہے۔ ان کی یہ بات بھی وزن رکھتی ہے کہ انسانی بہبود میں صرف مادی پہلوؤں کا لحاظ رکھنا کافی نہیں جن کا تعلق مال، جسم، نسل وغیرہ سے ہو بلکہ انسانی زندگی کے روحانی اور نفسیاتی پہلوؤں کو بھی اہمیت دینی چاہیے۔ چنانچہ یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ روایتی فہرست میں دین شامل ہے، انھوں نے 'احوال و معارف' کا علیحدہ سے ذکر ضروری سمجھا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ روایتی فہرست کا ذکر کرتے وقت ابن تیمیہ نے 'نسل' کو نکال کر اس کی جگہ 'عزت و آبرو' (عربی میں عرض) رکھ دیا۔ نیز یہ کہ غزالیؒ وغیرہ کی ترتیب کے برعکس 'دین' کو اپنی فہرست میں آخری نمبر پر رکھا۔ امام غزالیؒ اور شاطبیؒ کے کارناموں کی وجہ سے مقاصد شریعت کی فہرست پنج گانہ اور اس کی مخصوص ترتیب کو غیر معمولی شہرت ضرور حاصل ہے مگر اہل علم اس باب میں ہمیشہ توسع کی طرف مائل رہے ہیں۔

ابن قیمؒ نے بھی انہی باتوں پر زور دیا ہے جن کی صراحت ان کے استاد ابن تیمیہؒ کر چکے تھے۔ وہ لکھتے ہیں: 'شریعت کی بنیاد حکمتوں پر ہے، اور معاش و معاد کے بارے میں بندوں کے مصالح پر۔ شریعت تمام تر عدل، رحمت، مصالح اور حکمت سے عبارت ہے۔(۲۳)

مقاصد شریعت پر گفتگو کرتے وقت انہوں نے عدل و انصاف پر بہت زور دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اصل نظر اس مقصد پر ہونی چاہیے نہ کہ اس تک پہنچنے کے طریقوں پر جو بدل سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک بدلتے ہوئے حالات میں عدل و انصاف کے قیام کے موزوں طریقے عقل کے ذریعہ تلاش کیے جائیں گے اور یہی طریقے شرعی قرار پائیں گے۔(۲۴)

عزالدین ابن عبد السلام نے بھی دنیوی مصالح کو پہچاننے میں عقل کے کلیدی کردار پر زور دیا ہے۔ ان کے نزدیک: 'دنیا کے زیادہ تر مصالح اور مفاسد کو عقل کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے۔ یہی حال اکثر شرع کا بھی ہے۔(۲۵)

انھوں نے معاملات کے باب میں مصالح پر قدرے تفصیلی گفتگو کی ہے اور اس ذیل میں، غزالیؒ کی طرح، ضروریات، حاجات اور تتمات یا تکملات، تین مدارج پر روشنی ڈالی ہے۔(۲۶)

شاطبیؒ کے اضافوں کا مطالعہ کرتے وقت ہم یہ نوٹ کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک اجتہاد کا عمل عربی داں علماء تک محدود نہیں رہے گا بلکہ اس کے کچھ دائرے ایسے بھی ہیں جن میں عام مسلمان بھی حصہ لیں گے۔ اس ضمن میں یہ نوٹ کرنا مناسب ہوگا کہ عقل کے رول کے بارے میں عزالدین ابن عبدالسلام اور ابن تیمیہؒ کا موقف شاطبیؒ کے موقف سے زیادہ وسیع ہے۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: 'علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ بات عقل کے ذریعہ جانی جا سکتی ہے کہ فلاں کام اپنے کرنے والوں کے لیے مناسب ہے کہ نہیں۔ یہ بات کبھی عقل سے معلوم ہو جاتی ہے کبھی شرع سے، اور کبھی دونوں سے مل کر۔ البتہ یہ بات کہ بہتر کیا ہے اور کاموں کے نتائج دارآخرت میں سعادت یا بدبختی

کی شکل میں کیا ہوں گے صرف شرع سے معلوم ہو سکتی ہے۔(۲۷)

ابھی تک ہم نے زیادہ تر پانچویں صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری، گیارہویں صدی عیسوی سے چودہویں صدی عیسوی، تک کے زمانے میں مقاصد شریعت کی نسبت سے جوینی، غزالیؒ، عزالدینؒ ابن عبدالسلامؒ، شاطبیؒ، ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ جیسے مفکرین کے اضافوں کا ذکر کیا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کے بعد کی صدیوں میں پیش کیے جانے والے افکار کا جائزہ لیں، مناسب ہوگا کہ اوپر کے مطالعہ کے خلاصہ کے طور پر چند اہم باتیں نوٹ کر لیں:

☆ پہلی بات یہ ہے کہ مقاصد شریعت جان و مال، عقل و نسل اور دین کے تحفظ تک محدود نہیں، فہرست لمبی ہے اور اس میں مثبت اہداف بھی شامل ہیں۔

☆ دوسری بات یہ ہے کہ اصل اہمیت مقاصد کی ہے، ان کے حاصل کرنے کے طریقے زمان و مکان کے ساتھ بدل سکتے ہیں۔

☆ تیسری بات یہ ہے کہ مقاصد شریعت کی پہچان اور ان کے حصول کے طریقوں کی تلاش میں عقل ایک فعّال کردار ادا کرتی ہے۔

## قواعد فقہیہ

نویں اور بارہویں صدی ہجری کے درمیان مقاصد شریعت پر گہرائی کے ساتھ نظر شاہ ولی اللہؒ نے ڈالی ہے۔ مگر ان کے اضافوں کے مطالعہ سے پہلے ایک نئے علم کا ذکر مناسب ہوگا جو قواعد فقہیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس علم کو مقاصد کی بحث سے کچھ مناسبت ضرور ہے لیکن اس کا مرکز توجہ مختلف ہے۔ یہ در اصل ایک فن ہے جس سے فقہ کے مطالعہ اور اس سے استدلال میں مدد ملتی ہے۔ مگر قواعد کوئی ایسی چیز برآمد نہیں کر سکتے جو پہلے سے فقہ میں موجود نہ ہو، جب کہ مقاصد کا اصل کام ہی یہ ہے۔ اس فن کے ائمہ میں شہاب الدین قرافیؒ (وفات ۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء)، جلال الدین سیوطیؒ (وفات ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) اور ابن نجیمؒ (وفات ۹۱۷ھ/۱۵۱۲ء) کا نام خاص طور پر لیا جا سکتا ہے۔

قرافیؒ، عزالدینؒ ابن عبد السلام کے شاگرد تھے۔ اپنی مشہور کتاب 'الفروق' میں انھوں نے مقاصدِ شریعت کا بھی ذکر کیا ہے، چنانچہ شریعت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: 'اس کے اصول دو قسم کے ہیں۔ ایک کو اصول فقہ کا نام دیا گیا ہے۔ اس علم میں زیادہ تر ایسے قواعد کا بیان ہے جو عربی زبان کے استعمال سے متعلق ہیں دوسری قسم ان کلی فقہی قاعدوں پر مشتمل ہے جو بہت شاندار ہیں۔

ان کی تعداد خاصی ہے اور ان سے بڑی مدد ملتی ہے۔ وہ مشتمل ہیں شریعت کے لا تعداد جزئی احکام سے متعلق اسرار اور حکمتوں پر--- یہ ایسی باتیں ہیں جن کا اصول فقہ میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ کوئی اجمالی اشارہ اگر اتفاق سے مل بھی جاتا ہے تو اس کی تفصیل نہیں ملتی۔'(۲۸) قرافیؒ نے قواعد کے ساتھ مقاصد پر بھی نظر ڈالی ہے جب کہ سیوطیؒ اور ابن نجیم کا زور قواعد پر ہے۔ قواعد فقہیہ کے بارے میں مزید معلومات کے لیے مناسب کتابوں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔(۲۹)

## شاہ ولی اللہؒ کے اضافے

مقاصدِشریعت کے باب میں اپنے پیش رووں کی طرح شاہ ولی اللہؒ نے بھی شریعت کے مختلف جزئی احکام کی حکمتیں بیان کی ہیں۔ انہوں نے یہ بتایا ہے کہ ان احکام کے بجا لانے سے انسانوں کو کیا فائدے ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے بحث کے کچھ نئے پہلو بھی اجاگر کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: 'اُمت کے امور کی تدبیر میں کرنا یہ چاہیے کہ ہر حکم کی تعمیل کا ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ معیار سامنے رہے۔ اعلیٰ معیار ایسا ہو جو مقصود کے بدرجۂ کمال حصول کا ضامن ہو، اور ادنیٰ ایسا ہو کہ مقصد کی اس حد تک تحصیل عمل میں آ جائے کہ کوئی قابل لحاظ چیز باقی نہ رہے۔'(۳۰)

اجتماعی امور میں، خاص طور پر تدبیر مملکت میں، مقصود کے صرف دو مدارج سامنے رکھنا زیادہ قابل عمل اور حقیقت پسندانہ طریقہ ہوگا۔ قدماء نے جب ضروری، حاجی اور تحسینی کی سہ گانہ تقسیم مدارج تجویز کی تھی تو ان کی نظر، زیادہ تر، انفرادی امور پر رہی ہو گی۔ انفرادی معاملات میں ہر فرد کے لیے الگ الگ درجہ بندی کی ضرورت پڑ سکتی ہے جس میں افراد کے وسائل، امکانات اور حالات کے اندر پائے جانے والے فرق کا لحاظ رکھا جا سکتا ہے۔ جب قوموں کی بات آتی ہے تو انفرادی حالات کے فرق کو نظر انداز کر کے اوسط اور عمومی احوال کو سامنے رکھنا ہوگا۔ اوسط کے اعتبار سے وہ کم سے کم درجہ جس سے کام چل سکتا ہو اور درجۂ کمال، ان دو کی تعیین کافی ہو گی۔

جیسا کہ اُوپر واضح کیا جا چکا ہے، مقاصد شریعت کی رہنمائی نئے حالات میں بہت کام آتی ہے۔ چنانچہ نئے حالات میں نئے احکام تجویز کرتے وقت علماء اکثر مقاصدِشریعت کا حوالہ دیتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ ایک خاص موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: '(اسلامی حکومت کے) مصارف کے باب میں بنیادی بات یہ ہے کہ چند مقاصد کو کلیدی اہمیت دی جائے گی۔ مثلاً ایسے لوگوں کی کفالت جو بڑھاپے، تنگ دستی یا اپنے مال سے دور ہونے کی وجہ سے خود کچھ کرنے سے معذور ہوں۔ شہر کو کفّار کے خطرے سے بچانے کے لیے حدود کی حفاظت، فوجیوں، اسلحے اور

مددگار اسٹاف کے اخراجات، نیز شہر کے جملہ امور--- سیکورٹی، عدلیہ، شرعی حدود کا قیام، بازار کی نگرانی، وغیرہ کی تدبیر اور متعلقہ انتظامات۔ ملت کی حفاظت کے لیے ائمہ، خطباء، اساتذہ اور وعظ کہنے والوں کی تعیین۔ اسی ذیل میں انسانوں کے مشترکہ مفادات کا اہتمام بھی شامل ہے، مثلاً دریاؤں کی درستی اور ان پر بنے ہوئے پل وغیرہ کو ٹھیک رکھنا۔'(۳۱)

شاہ صاحبؒ کی اس تحریر کا مقابلہ جوینیؒ اور غزالیؒ کی ملتی جلتی تحریروں سے کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اگرچہ بات ایک ہے مگر شاہ صاحبؒ نے جو مثالیں دی ہیں ان میں ان حالات کا عکس پایا جاتا ہے جو سلطنت مغلیہ کے زوال کے زمانے میں دہلی میں، جہاں شاہ صاحبؒ رہتے تھے، پائے جاتے تھے۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ شاہ صاحبؒ نے مقاصد شریعت کی روایتی فہرست میں دین کی جگہ ملت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اُوپر نقل کی گئی عبارت میں بھی، جہاں وہ اس تصور کے مطابق اپنے زمانہ کے حکمران کے لیے پالیسی تجویز کرتے ہیں انہوں نے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دین اور ملت ایک ہی معنیٰ نہیں رکھتے۔(۳۲) ذہن اس طرف جاتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے سامنے ایک زوال پذیر اقتدار والی مسلمان ملت تھی جو چاروں طرف سے غیر مسلم اکثریت کے درمیان گھری ہوئی تھی۔ جوینی، غزالیؒ، ماوردیؒ اور شاطبیؒ کو اس سے بالکل مختلف حالات سے واسطہ پڑا تھا۔ لفظ کی تبدیلی حالات کی تبدیلی کی آئینہ دار ہے۔ شاہ صاحبؒ ملت کی بقاء میں دین کی بقا دیکھتے ہیں۔

## مقاصدِ شریعت کی طرف حالیہ توجہ

اگرچہ ہر زمانہ کے علماء ان احکام شریعت کی حکمتیں نیز ان کے دنیوی فوائد اور برکات بیان کرتے رہے جو ہمیں معلوم ہیں، لیکن بدلے ہوئے حالات میں اجتہاد میں مدد کرنے والے تصور کے طور پر پچھلے سو برسوں میں مقاصدِشریعت کی طرف زیادہ توجہ رہی۔ چنانچہ تیونس سے ۱۹۶۶ء میں محمدطاہر بن العاشور (۱۸۷۹ء۔۱۹۷۳ء) نے اس موضوع پر ایک کتاب شائع کی۔ قرآن کریم کی ان آیات کا حوالہ دیتے ہوئے جن میں فساد کی مذمّت کی گئی ہے اور زمین کو فساد سے پاک رکھنے کی تاکید کی گئی ہے، وہ لکھتے ہیں: '(شریعت اسلامی کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ) قانون بنانے کا عمومی مقصد نظام عالم کو برقرار رکھنا اور اسے اچھا بنائے رکھنا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو اس پر حاوی ہے، یعنی بنی نوع انسان، ان کو ٹھیک رکھا جائے۔ اس کی درستی کا انحصار اس کی عقل، اس کے عمل، اور اس کے گرد پھیلی موجودات کی درستی پر ہے۔'(۳۴)

اُنہوں نے روایتی فہرست کی مزید تفصیل میں جانے کی کوشش بھی کی ہے۔ لکھتے ہیں: 'اموال کی بابت شریعت کا مقصود پانچ چیزوں سے عبارت ہے۔ یہ کہ اموال گردش میں رہیں؛ واضح رہے (کہ کون سا مال کس کا ہے)؛ محفوظ رہیں؛ ان (کے لین دین میں) عدل بر قرار رہے اور (حقوق ملکیت) مستحکم ہوں۔'[(۳۵)]

مراقش سے علاّل الفاسی نے بھی اس موضوع پر کتاب شائع کی۔ اس کتاب میں انہوں نے عدل و انصاف قائم کرنے اور ہر فرد کے لیے فکری آزادی اور نفسیاتی اطمینان و سکون کی ضمانت دینے کو مقاصد شریعت میں شمار کیا ہے۔[(۳۷)] اسلامی مغرب کی اسی روایت کے تسلسل میں احمد الخملیشی نے بھی عدل، انفرادی حقوق اور آزادی کو مقاصدِ شریعت میں شمار کیا ہے۔[(۳۸)]

حال میں مقاصد شریعت کے موضوع پر متعدد پی ایچ ڈی کے رسالے لکھے گئے ہیں۔[(۳۹-الف)] محمد مصطفیٰ زحیلی نے مقاصدِ شریعت کے تحت پانچ بنیادی مصالح کی فہرست میں نسل، نسب، مال اور عزت وآبرو کو ایک خانے میں رکھ کر ضروریاتِ خمسہ کی فہرست میں علماء کے اندر پائے جانے والے اختلافات کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔[(۳۹-ب)] ماذن ھاشم نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ شاطبیؒ نے مقاصد پر بحث کرتے وقت اسلامی نظامِ حیات کے کلی مقاصد کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ اسلامی قوانین تک محدود رہے۔[(۳۹-ج)] ابراھیم کیلانی نے مقاصد کی بحث کا دین میں عقل کے مقام کی بحث سے گہرا تعلق بتاتے ہوئے ابن رشدؒ کے افکار کی اہمیت جتائی ہے۔ ابن رشد نے مقاصد کا رشتہ مصالح کی بجائے انسانی فطرت سے جوڑا ہے۔ یہ طریقہ قرآنی اسلوب سے زیادہ قریب ہے۔[(۴۰)]

## مقاصدِ شریعت کی فہرست میں اضافے

ایک خیال یہ بھی ہے کہ مقاصد کی روایتی فہرست پنج گانہ، دین، جان، عقل، نسل اور مال میں خود اتنی وسعت ہے کہ بہت سے نئے مقاصد اسی فہرست میں داخل سمجھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً عدل و انصاف دین میں، اور ازالۂ غربت اور کفالت عامہ حفظ جان میں شامل سمجھے جا سکتے ہیں۔ ہمیں دو وجہوں سے اس فکر و سوچ سے اتفاق نہیں ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ ابن تیمیہؒ نے کہا ہے، تحفظ سے آگے بڑھ کر ترقی دینے اور بڑھوتری کا رجحان ضروری ہے۔ روایتی فہرست میں سارا زور دفع مضرت پر ہے، جلب منفعت کا پہلو دب گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ موجودہ عالمی اور قومی سطح کے مسائل میں ماحولیاتی تلوّث پر کنٹرول، کائنات کے قدرتی وسائل کا بچاؤ، عمومی اور کلی تباہی مچانے

والے اسلحوں کی پیداوار پر پابندی اور موجود نیوکلیائی ہتھیاروں نیز کیمیائی اور حیاتیاتی اسلحوں کا تلف کیا جانااور اقوامِ عالم کے باہم امن و چین سے رہ سکنے کے دوسرے تقاضے پورے کرنے کے لیے یہ بہتر ہے کہ اِن امور سے مناسبت رکھنے والی اسلامی تعلیمات کو اہمیت کے ساتھ پیش کیا جائے۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ منطقی طور پر کیا بات کس بات سے نکالی جاسکتی ہے، اہم بات یہ ہے کہ نئے حالات میں اسلام اور مسلمانوں کو سیاسی، معاشی اور سماجی امور میں دنیا کی رہنمائی کے لیے کس طریقہ سے زیادہ مدد مل سکتی ہے۔ ہمارے خیال میں گلوبلائزیشن کے چیلنجوں سے عہدہ برآ ہونے میں مقاصدِ شریعت کی فہرست میں ان چیزوں کے اضافہ سے مدد ملے گی جن کی مقصودیت کو کتاب و سنّت کی سند تو حاصل ہے مگر اب سے پہلے ان کو زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ جن مقاصد کو اُبھار کر پیش کرنا مناسب ہوگا وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ انسانی عزو شرف

۲۔ بنیادی آزادیاں

۳۔ عدل و انصاف

۴۔ ازالہ غربت اور کفالت عامہ

۵۔ سماجی مساوات اور دولت و آمدنی کی تقسیم میں پائی جانے والی ناہمواری کو بڑھنے سے روکنا

۶۔ امن و امان اور نظم و نسق

۷۔ بین الاقوامی سطح پر باہم تعامل اور تعاون

اب ہم کوشش کریں گے کہ ان مقاصد کے معتبر اور مستند ہونے پر اطمینان حاصل کریں۔

## انسانی عز و شرف

قدماء نے بھی عزت و آبرو کو مقاصد میں شمار کیا تھا۔ ان کی ایک دلیل یہ بھی تھی کہ شریعت نے کسی پر تہمت لگانے کی کڑی سزا مقرر کر رکھی ہے۔ اپنی نیک نامی اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے لوگ جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں تو جب جان کا تحفظ مقصود شرع ہے تو عزت و آبرو کا تحفظ بدرجہ اولیٰ مقصدِ شریعت قرار پائے گا۔ واضح رہے کہ مسئلہ صرف انفرادی ہتک عزت کا نہیں ہے۔ اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ نسل، رنگ، زبان، جائے پیدائش، مذہب یا غریبی وغیرہ کی بنیاد پر کسی کو حقارت سے نہ دیکھا جائے بلکہ مرد و عورت، ہر فرد انسانی کو انسان ہونے کے سبب قابل احترام گردانا جائے۔ قرآن کی تعلیم بالکل واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولقد کرّمنا بنی اٰدم و حملنٰھم فی البرّ والبحر و رزقنٰھم من الطیّبٰت وفضلنٰھم علیٰ کثیر ممّن خلقنا تفضیلا. [بنی اسرائیل: ۷۰]

(ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انھیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی)

یایھا النّاس انّا خلقنکم من ذکرٍ وّ انثیٰ و جعلنکم شعوبا وّ قبائل لتعارفوا، انّ اکرمکم عنداللہ اتقاکم. انّ اللہ علیم خبیر. [حجرات: ۱۳]

(لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنادیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے)

یا ایھا الّذین اٰمنوا لا یسخر قوم من قومٍ عسی ان یکونوا خیراً منھم ولا نسآء مّن نسآء عسی ان یکن خیرا منھنّ. ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب---[حجرات:۱۱]

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اُڑائیں کہ ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتاہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو)

قرآن کریم کی ان آیات سے واضح ہے کہ انسان کا عز و شرف مقصود ہے اور اس مقصد کے تحت احکام بھی جا ری کیے گئے ہیں۔

## بنیادی آزادیاں

قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی انسانوں کی آزمائش کے لیے ہے:

الّذی خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایّکم احسن عملا. [الملک:۲]

(وہ ذات جس نے موت و حیات کا سلسلہ اس لیے جاری کیا ہے کہ تمھاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون لوگ عمل کے اعتبار سے اچھے ثابت ہوتے ہیں)

ارادہ کی آزادی اور اختیار کی صلاحیت اس امتحان و ابتلاء کے لیے شرط لازم ہے جس سے انسانی زندگی عبارت ہے۔ اگر افراد انسانی آزاد اور خود مختار نہ ہوں تو شریعت کے احکام بجا لانے کے مکلّف کیسے قرار دیے جا سکتے ہیں؟ پس جب خدا نے ہر انسان کو انفرادی طور پر مخاطب کیا ہے اور اسے کچھ کرنے اور بعض چیزوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے تو لازم ہے کہ ہر فرد کو آزادانہ طور پر حکم الٰہی پر لبیّک کہنے کا موقع ہو اور اس بات کی آزادی ہو کہ کس چیز سے باز رہے۔ ہر فرد انسانی کو بنیادی آزادیوں کی ضمانت اس لیے ضروری ہے کہ آخرت میں جواب دہی اور جزا و سزا انفرادی ہو گی:

**وکلّھم اٰتیہ یوم القیامۃ فرداً.** [مریم: ۹۵]

(ان میں کا ہر شخص قیامت کے دن خدا کے حضور میں اکیلا اور خالی ہاتھ حاضر ہونے والا ہے)

**الّا تزر وازرۃ وّزر اخریٰ. و ان لیس للانسان الّا ما سعیٰ.** [النجم :۳۷-۳۸]

(یہ کہ کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ بھی نہیں مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہو)

بنیادی آزادیوں میں آزادئ ضمیر، آزادئ رائے، آزادئ اجتماع وغیرہ تمام وہ آزادیاں شامل ہیں جو معروف ہیں اور ہر آزادی اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ اس سے دوسرے افراد کی کسی آزادی کی تنسیخ یا تحدید عمل میں نہ آتی ہو اور وہ اللہ کے کسی صریح حکم کی خلاف ورزی کو مستلزم نہ ہو۔

## عدل و انصاف

قرآن کریم بتاتا ہے کہ رسولوں کو بھیجنے اور ان کے ساتھ ہدایت نامہ نازل کرنے کا مقصد یہ رہا ہے کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں:

**لقد ارسلنا رسلنا بالبیّنٰت وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم النّاس با لقسط. وانزلنا الحدید فیہ بأس شدید و منا فع للنّاس و لیعلم اللہ من ینصرہ و رسلہ بالغیب، انّ اللہ قویّ عزیز.** [الحدید:۲۵]

(ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایت کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور بڑے منافع ہیں۔ یہ اس لیے کیا گیا کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور

زبردست ہے)

عدل و قسط پر قائم رہنے کی تاکید قرآن کریم کی متعدد آیات میں کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ جوینیؒ، عزالدینؒ ابن عبد السلام، ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ نے بھی اسے مقاصدِ شریعت میں شمار کیا ہے۔ اس مقصد کے تحت شریعت میں احکام دیے گئے ہیں اور اس کے لیے نیا اجتہاد بھی کیا جائے گا۔(۴۱) عدل و انصاف کو صراحت کے ساتھ مقاصد شریعت میں شمار کرنے کی آواز حال میں احمد الخملیشی نے بھی اٹھائی ہے۔(۴۲)

## ازالہء غربت اور کفالت عامّہ

اسلام چاہتا ہے کہ ہرفرد انسانی کی بنیادی ضروریات پوری ہوں۔ اسے بھوکا اور بے گھر نہ رہنا پڑے تا کہ وہ امتحان زندگی میں صحیح اور غلط، اچھے اور برے کے درمیان انتخاب میں کسی لالچ، لاچاری یا دباؤ سے آزاد رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر انسان کو یک گونہ فوقیت عطا کی ہے اور ایسے امکانات بکھیر دیے ہیں کہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

**ولقد مکّنکم فی الا رض و جعلنا لکم فیھا معایش، قلیلا ما تشکرون.** [الا عراف:۱۰]

(ہم نے تمھیں زمین میں (اختیارات کے ساتھ) بسایا اور تمھارے لیے یہاں سامان زیست فراہم کیا۔ مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو)

عام حالات میں اپنی ضروریات کی تکمیل ہر فرد کی اپنی ذمہ داری ہے۔ بچوں، بوڑھوں اور معذور افراد کی کفالت ان کے اہل خاندان کو کرنی ہے۔ مگر جو کوئی بالکل ہی بے سہارا ہو اس کی بنیادی ضروریات پوری کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: 'جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے۔'(۴۳) 'جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کی سرپرست حکومت ہے۔'(۴۴)

عزالدینؒ ابن عبدالسلام نے سیّدنا عمر فاروقؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: 'لوگو! اللہ نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ میں اس کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو روکوں۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: 'اللہ کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو روکنے کا مطلب یہ ہے کہ امام ظالموں کے مقابلہ میں مظلوموں کے ساتھ انصاف کرے اور ان کو اس بات کی ضرورت نہ پڑے کہ وہ اللہ سے انصاف کے طالب ہوں۔ اسی طرح وہ لوگوں کی ضروریات اور حاجات پوری کرے تا کہ ان کو اس کی ضرورت باقی نہ رہے کہ وہ اللہ ربّ العالمین سے ان کی تکمیل کے طالب ہوں۔ حکمرانوں پر مسلمانوں

کے جملہ حقوق کے بارہ میں یہ جملہ کتنا جامع اور واضح ہے۔(۴۵)

متعدد اسلامی مفکرین کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلامی ریاست کو مقاصدِ شریعت کی تحصیل کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔(۴۶) چنانچہ جوینیؒ نے بھی یہی انداز اختیار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:
'(اسلامی) علاقہ میں موجود لوگوں کے تحفظ کے لیے اب جو کام باقی رہ گیا ہے وہ ایسے لوگوں کی دیکھ بھال ہے جو ہلاکت کے قریب پہنچ گئے ہوں۔ ہم نے اُوپر بتایا ہے کہ اس ذمہ داری کی ادائیگی صوبہ جات کے ذریعہ اور حاجت روائی کے نظام اور فاقہ کشوں کی دست گیری کے ذریعہ ہوگی---۔ حاجت روائی اور ضرورت مندوں کی ضروریات کی تکمیل کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کا تعلق ایک طرح کی اصولی بحث سے ہے۔ ہو سکتا ہے کسی مجموعہ فقہ میں اس پر بحث نہ ملے۔ امام کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کی کفالت اور نگرانی کو اپنی اہم ترین ذمہ داریوں میں شمار کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا اپنے سارے ساز و سامان سمیت کسی مفلس مسلمان کی تکلیف کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔(۴۷)

جیسا کہ ہم نے اُوپر واضح کیا، کسی کام کو مقصودِ شریعت قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو شریعت کے معلوم احکام اور ان کے باہمی ربط کو سمجھنے میں وہ ہماری مدد کرتے ہیں اور دوسری طرف ان سے نئے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے قانون سازی میں مدد ملتی ہے۔

## سماجی مساوات اور دولت و آمدنی کی تقسیم میں پائی جانے والی نا ہمواری کو بڑھنے سے روکنا۔

اسلام نے انسانی عز و شرف پر زور دے کر رنگ و نسل، زبان و مذہب، یا جائے پیدائش کو اونچ نیچ کی بنیاد بنانے کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ مگر سماجی مساوات بے معنی رہ جائے اگر سماج میں معاشی ناہمواری نہ صرف موجود ہو بلکہ مسلسل بڑھتی جا رہی ہو۔ معاشی امور میں اسلام حرفی مساوات کا قائل نہیں۔ انسانوں کے درمیان دولت اور آمدنی کی تقسیم میں فرق کو وہ تسلیم کرتا ہے اور اسے مٹا کر سب کو برابری پر لانا اس کے ایجنڈے میں داخل نہیں ہے۔ البتہ انسانو ں کی صلاحیتوں میں جو فرق پایا جاتا ہے اور کاروبار حیات کو سنبھالتے وقت لوگوں کے مال و املاک میں جتنا فرق ہوتا ہے اس کی وجہ سے وقت گزرنے کے ساتھ دولت اور آمدنی کی تقسیم میں نا ہمواری بڑھتی جاتی ہے۔ اس رجحان کو آزاد چھوڑ دینا اسلام کے تصورِحیات کے منافی ہے۔ اسلام اس رجحان کی روک تھام کرتا ہے اور اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ دولت صرف امیروں کے درمیان گردش نہ کرتی رہے بلکہ سب لوگوں کو ملے۔ شریعت میں اس مقصد کے تحت دیے جانے والے احکام کا کافی مطالعہ کیا گیا ہے۔ ایک خاص

موقع پر ایک مخصوص حکم کے ضمن میں قرآن نے اس مقصود کی صراحت بھی کردی ہے:

ما افآء اللہ علیٰ رسولہ من اهل القریٰ فللّٰه و للرسول ولذی القربیٰ و الیتٰمی والمساکین و ابن السبیل. کی لا یکون دولة بین الا غنیاء منکم. [الحشر: ۷]

(ان آبادیوں کے جن اموال کو اللہ نے اپنے رسول کو عطا کیا ہے وہ اللہ، اس کے رسول اور رسول کے قربت داروں، نیز یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کے لیے مخصوص ہیں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ ما ل و دولت تمھارے صاحب ثروت لوگوں ہی کے درمیان چکر کرتی رہ جائے)

آیت کے آخری ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ دولت کا امیروں کے ہاتھوں میں مرکوز ہو جانے پر پابندی ضروری ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین نے متعدد فیصلے اسی مقصد کے تحت کیے۔(۴۸)

جب ہم اپنے زمانہ یعنی اکیسویں صدی کی دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو اس مقصد کی صراحت اور اس پر زور دینے کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ پہلے کے مقابلہ میں اب سامان زیست کی پیداوار بہت زیادہ ہے۔ انسانی آبادی بڑھنے کے باوجود دنیا میں اتنی غذائی اجناس پیدا ہو رہی ہیں کہ کسی کو بھوکا نہیں رہنا چاہیے۔ مگر قوموں کے اندر اور ا قوام عالم کے درمیان دولت و آمدنی کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی ناہمواریوں نے اب بھی یہ ممکن نہ بنایا کہ دنیا سے فقر و فاقہ کا خاتمہ کیا جا سکے۔

## امن و امان اور نظم و نسق

جیسا کہ جوینی نے لکھا ہے: امن و امان نہ ہو تو جان خطرے میں رہے گی اور نظم و نسق کا برا حال ہو تو مال کسی کام کا نہیں رہتا۔(۴۹) شریعت امن و امان قائم رکھنے اور نظم و نسق درست رکھنے کو مقصود رکھتی ہے۔ وہ حکمرانوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتی ہے۔ قرآن کریم میں زمین کو فساد سے پاک کرنے اور اس کی اصلاح پر بہت زور دیا ہے۔ اسلام نے نظم و نسق کی خلاف ورزی اور امن درہم برہم کرنے والوں کی سزا بہت سخت رکھی ہے:

انّما جزؤا الذین یحاربون اللہ و رسولہ و یسعون فی الارض فساداً ان یقتّلوا او یصلّبوا او تقطّع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفوا من الارض، ذٰلک لهم خزیٌ فی الدنیا و لهم فی الأ خرة عذابٌ عظیم. [المائدہ:۳۳]

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے

پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں یا وہ جلا وطن کر دیے جائیں۔ یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے اس سے بدتر سزا ہے)

حال کے زمانے میں اس موضوع پر طاہر ابن عاشور نے لکھا ہے۔ان کے نزدیک: '(شریعت اسلامیہ میں) قانون سازی کا عام مقصود نظام عالم کا تحفظ ہے، اس طرح کہ وہ ہمیشہ اچھی حالت میں رہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی اصلاح کی جائے جو بالفعل اس پر قابو رکھتے ہیں، یعنی بنی نوع انسان۔(۵۰)

## بین الاقوامی سطح پر باہمی تعامل اور تعاون

مسلمانوں کو سارے انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے پر مامور کیا گیا ہے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ اسلامی زندگی کا جیتا جاگتا نمونہ بن کر رہیں، اور دنیا بھر کے باشندوں کے سامنے ان کا رول وہ ہو جو اللہ کے رسول کاان کے درمیان رہا:

وکذٰلک جعلنکم امّة وسطاً لتکونوا شھدآء علی النّاس و یکون الرسول علیکم شھیداً--- [البقرہ:۱۴۳]

(اور اس طور پر ہم نے تم کو درمیانی اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن کر رہو اور رسول تم پر گواہی دینے والا ہو)

ان کے ذ مّہ ایک بڑا کام ہے جس کا تعلق دنیا کے سارے باشندوں سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے:

کنتم خیر امّةٍ اخرجت للنّاس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تؤمنون باللہ--- [آل عمران:۱۱۰]

(تم بہترین امت ہو جسے لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے برپا کیا گیا ہے، بھلائی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)

اُمت کا مقصود شریعت کا مقصود ہوا۔ اس مقصد کی ادائیگی کے لیے غیر مسلم انسانیت تک پہنچنا، ان سے ہم کلامی، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، اور ایک ایسی فضا بنائے رکھنا ضروری ہے جس میں وہ اطمینان کے ساتھ مسلمانوں سے معاملت کر سکیں۔ چنانچہ موجود اور معلوم احکام شرعی ایسا ہی نقشہ پیش

کرتے ہیں۔ عام انسانوں سے نیک کاموں میں تعاون اس نقشہ کا ایک اہم جزء ہے:

**و تعاونوا علی البرّ والتقویٰ و لا تعاونوا علی الاثم والعدوان، واتّقوا اللہ،انّ اللہ شدید العقاب.....** [المائدہ: ۲]

(نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دو مگر ظلم اور گناہ میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے)

البتہ جب کوئی گروہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی پر اتر آئے اور ان کی جان و مال، عزت و آبرو وغیرہ کے لیے خطرہ بن جائے تو اس کا معاملہ دوسرا ہے۔

جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں بتائیں گے، دنیا کے موجودہ حالات میں اس مقصد کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ دنیا کے بڑے حصہ پر مسلمانوں کا اقتدار تھا۔ اب صورت حال بالکل مختلف ہے۔ اس مقصد کے تحت اب اس سے مختلف اقدامات کی ضرورت ہے جو گزشتہ زمانہ میں تجویز کیے گئے تھے۔

## نئے اجتہاد میں مقاصدِ شریعت کا رول: تاریخی شواہد

مقاصدِ شریعت کے بیان کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے نئے اجتہاد میں مدد مل سکتی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس نظر سے حال کے مسائل اور مستقبل میں اُٹھ سکنے والے سوالات کا جائزہ لیں، مناسب ہوگا کہ دیکھیں ماضی میں کیے جانے والے اجتہاد میں مقاصد نے یہ کردار کیسے ادا کیا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اجتہاد کا تعلق صرف فقہی مسائل سے نہیں بلکہ اس کے دائرہ میں تدبیر مملکت، اسلام کی دعوت اوراصلاح عالم اور قیام امن جیسے امور بھی شامل ہیں۔

اسلام کی دعوت کا سب سے بڑا مفاد جس کی حفاظت ضروری ہے یہ ہے کہ عام انسانوں کے سامنے نبیء کریم رحمۃللعالمین کی تصویر نہ بگڑنے پائے، کیوں کہ دعوت الی اللہ کی قبولیت کا انحصار بڑی حد تک اس پر ہے کہ لوگ آپ ﷺ کو اعتماد اور انس کے ساتھ دیکھیں۔ اس کا تقاضا ہے کہ اگر کسی صحیح بلکہ بعض اعتبار سے ضروری اقدام سے غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہو، یا دشمن اسے غلط معنیٰ پہنا سکتا ہو تو اس مفاد کی خاطر اسے نہ کیا جائے۔ نبیء اکرم ﷺ سے مروی دو حدیثیں اس اہم اصل کی تصدیق کرتی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے دیواروں (یعنی حطیم کعبہ)[۵۱] کے بارے میں پوچھا، کیا وہ بیت (اللہ) کا جزء ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! میں نے پوچھا، پھر لوگوں نے اسے بیت (اللہ) میں داخل کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: تمھاری قوم کے پاس خرچہ کم پڑ گیا۔ میں نے کہا: (کعبہ کا) دروازہ اُونچا کیوں بنا ہے؟ آپ نے فرمایا: تمھاری قوم والوں نے ایسا اس لیے کیا تاکہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جسے چاہیں اندر جانے سے روک دیں۔ تمھاری قوم کے لوگوں کے کچھ ہی زمانہ پہلے جاہلیت کا شکار رہنے کے سبب مجھے دیواروں (یعنی حطیم) کے بیت (اللہ) میں داخل کرنے اور اس کے دروازہ کو زمین کی سطح پر لانے میں یہ ڈر ہے کہ ان کے دل (اسلام سے) پلٹ جائیں گے۔

آپ ہی سے ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر تمھاری قوم کے لوگ کچھ ہی دنوں پہلے جاہلیت کا شکار نہ رہ چکے ہوتے تو میں حکم دیتا کہ بیت(اللہ) کو ڈھا دیا جائے پھر اس کے اندر وہ (رقبہ) داخل کر دیتا جو اس سے باہر نکال دیا گیا ہے اور اسے سطح زمین سے ملا دیتا، نیز اس کے دو دروازے بنا دیتا، ایک مشرقی دروازہ اور ایک مغربی دروازہ، اس طرح میں اسے اصل ابراہیمی بنیادوں پر واپس (قائم) کر دیتا۔[۵۲]

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جب آپؐ سے کہا گیا کہ جو لوگ پکے منافق اور دشمن اسلام ہیں ان کو قتل کرنے کی اجازت دے دیں تو آپ نے منع کردیا اور فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں میں چرچا ہوگا کہ محمد اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنے لگے ہیں۔[۵۳]

یہ دونوں مثالیں بتاتی ہیں کہ دعوت اسلامی کے عظیم کلی مقاصد کی خاطرجن کا تعلق سارے انسانوں سے اور ہمیشہ تک کے لیے ہے، ایسے کام بھی چھوڑے جا سکتے ہیں جو نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوں۔ جیسا کہ ہم آئندہ بتائیں گے، آج کے حالات میں ان نظائر سے سبق سیکھنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔

تدبیر مملکت میں دور رس اہمیت کے طویل المیعاد مقاصد کے پیش نظر کیے جانے والے ایسے اقدامات کی متعدد مثالیں خلفاء راشدین کے یہاں ملتی ہیں جو عام حالات میں اختیار کیے جانے والے احکام سے مختلف ہوں۔ حضرت عمرؓ نے عراق و شام کی مفتوحہ زمینوں کو مال غنیمت کی تقسیم کے فارمولہ کے مطابق فوجیوں کے درمیان تقسیم کرنے کی بجائے انھیں سرکاری ملکیت قرار دینے کا جو تاریخ ساز فیصلہ کیا وہ اس کی سب سے نمایاں مثال ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ آپ نے یہ فیصلہ اس وقت کیا

جب آپ کی توجہ زمینوں کو فوجیوں کے درمیان تقسیم کرنے کے بعض نا قابل قبول نتائج کی طرف مبذول کرائی گئی: 'عمرؓ جابیہ آئے تو انھوں نے زمین کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کا ارادہ کیا۔ معاذؓ نے آپ سے کہا: خدا کی قسم پھر تو وہی ہوگا جو آپ کو نا پسند ہے۔ اگر آپ نے ان زمینوں کو تقسیم کردیا تو بڑے بڑے علاقے ان (موجودہ) لوگوں کو مل جائیں گے۔ پھر یہ مر جائیں گے تو (وراثت کے ذریعہ) یہ زمینیں کسی ایک مرد یا عورت کے ہاتھ میں آجائیں گی۔ پھر ان کے بعد دوسرے لوگ (اسلام میں داخل ہو کر) آئیں گے جو اسلام کا دفاع کریں گے مگر ان کو کچھ نہ مل سکے گا۔ آپ غور و فکر کے بعد کوئی ایسا طریقہ اختیار کیجئے جو آج کے مسلمانوں کے لیے بھی موزوں ہو اور بعد میں آنے والوں کے لیے بھی مفید ہو۔(۵۴)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے ایک شخص کا معاملہ آیا جس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تھا۔ آپ نے کہا اسے چھوڑ دو۔ مانع زکوٰۃ کو سزا نہ دینے کی یہ پالیسی احکام شرع کے خلاف نظر آتی ہے مگر یہ طریقہ کارگر رہا۔ کچھ عرصہ بعد اس شخص نے رجوع کر لیا اور اس پر جو زکوٰۃ واجب تھی وہ ادا کردی۔(۵۵)

## نئے اجتہاد میں مقاصد شریعت کا رول: امکانات

اکیسویں صدی تک آتے آتے دنیا بہت سی تیز رفتار تبدیلیوں سے گذری جن تبدیلیوں کے سبب امّت اسلامیہ کو متعدد نئے مسائل کا سامنا ہے۔ یہاں ہم جزئی امور میں پیش آمدہ مسائل کا ذکر نہیں کریں گے۔ ان مسائل سے نبٹنے کے لیے متعدد فقہی مجالس اور شریعہ کونسلوں کا قیام عمل میں آچکا ہے جنھوں نے طبّی مسائل، سماجی معاملات اور لین دین سے متعلق فتوے دیئے ہیں ان فتوؤں میں بسا اوقات ضروریات خمسہ اورمقاصد شریعت کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔(۵۶) مگر زیادہ اہم مسائل وہ ہیں جن کا تعلق امّت مسلمہ کے اس مشن سے ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ عام انسانوں تک بندگی رب کی دعوت پہنچانا، ان سے نبی آخرالزمان کا تعارف کرانا نیز ان کے مزاج اور معروفات کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے تعلیمات دین کی تشریح کرنا اور پہلے سے ان کے دل و دماغ میں جو سوالات اور شبہات پائے جاتے ہوں کے جواب دینا--- یہ کام تقاضا کرتا ہے کہ اسلام کے لیے کام کرنے والے اپنی ان ترجیحات اور طریق کار پر نظر ثانی کریں جو اب سے سو سال پہلے مقرر کی گئی تھیں۔ یہ نظر ثانی دو وجہوں سے ضروری ہے۔ ایک یہ کہ موجودہ طریقے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو رہے ہیں اور دوسری یہ کہ جن علماء اور مفکرین نے موجودہ ترجیحات اور طریقے طے کیے تھے ان کے سامنے نہ تو

اکیسویں صدی کے حالات تھے نہ وہ تجربات جن سے مسلمان اور تحریک اسلامی گزشتہ دہائیوں میں گذرے ہیں۔

موضوع تفصیل طلب ہے مگر ہم یہاں صرف تین ایسے مسائل کا ذکر کریں گے جو بنیادی نوعیت کے ہیں اور اسلامی ایجنڈے کی باقی تفصیلات کے لیے مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں اسلامیان عالم کو اپنا موجودہ رویہ بدلنا ہوگا تاکہ وہ مقاصد حاصل کیے جا سکیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا، یعنی سارے انسانوں کے سامنے اسلام کی ترجمانی، قول سے بھی اور عمل سے بھی۔ یہ مسائل ہیں: غیرمسلم انسانیت سے تعامل، مسلمان عورت کا سماجی اور دعوتی رول اور گلو بلائزیشن سے پیدا ہونے والے مواقع سے اسلام کے حق میں کام لینا۔

## غیرمسلم انسانیت سے تعامل

موجودہ صورت حال میں مسلمانوں کے غیرمسلموں کے ساتھ تعلقات میں دعوت اسلامی کو بنیادی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس کے اسباب ماضی کے حالات میں پائے جاتے ہیں۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں دنیا کے بیشترمسلمانوں پر غیرمسلم حکمرانی کر رہے تھے اور اسلامی تحریکیں بھی ان غیرمسلم طاقتوں سے آزادی کی لڑائی لڑ رہی تھیں۔ پھر صورت حال بدلی، اب دنیا کے دو تہائی مسلمان ایسے ممالک میں رہتے ہیں جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔مگر ان ممالک میں ان غیرمسلموں کے ساتھ تعامل دعوت اسلامی کے مفاد میں نہیں کیا جاتا۔ الّاماشاء اللہ، اس طرف نہ مسلمان حکومتوں کی توجہ ہے، نہ ان ملکوں کی اسلامی تحریکوں کی نہ عام مسلمانوں کی۔ دنیا کے ایک تہائی مسلمان جو غیرمسلم اکثریتوں کے درمیان رہتے ہیں، زیادہ تر خود کو خطرہ میں محسوس کرتے ہیں۔ وہ اپنا اصل کام یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے دین، کلچر، زبان وغیرہ کو اکثریت کی جارحیت یا تسلط پسندی سے بچائیں۔ کچھ مسلمان افراد، جماعتیں اور حلقے اس سطح سے بلند ہوکر بے لوث داعیانہ کردار ادا کرنے کی کوشش کرتے بھی ہیں تو عام مسلمانوں کے مدافعانہ کلچر کی وجہ سے بات آگے نہیں بڑھنے پاتی۔

یہ تو رہی بات عمل کی، مگر ہمارا موجودہ دینی فکر بھی غیرمسلم انسانیت کے ساتھ ایسے تعامل میں ہماری رہنمائی سے قاصر ہے جس کا امّت کا مشن تقاضا کرتاہے۔ یہ فکر دوسری تا چھٹی صدی ہجری ایک ایسی ذہنی فضا میں ترتیب پایا ہے جب مسلمان دنیا کے واحد سپر پاور تھے۔ غیرمسلم انسانوں کو اسلامی فقہ نے اسلامی حکومت کے تحت رہنے والے ذمی، عارضی طور پر مقیم مستأمن یا اسلامی حدود کے باہر محارب کے خانوں میں بانٹ کر دیکھا اور ان کے ساتھ ان کا تعامل طاقت کے زیر سایہ بننے والے

ان خانوں پر مبنی رہا۔ یہ خانے جو اقتدار کے تقاضوں اور سیاسی ضروریات کے تحت بنے تھے اب بھی ہمارے ساتھ ہیں جب نہ اقتدار رہا نہ وہ سیاسی حالات رہے۔ آج دنیا میں مسلمان حقیقی قوت واقتدار سے محروم ہیں۔ جو مسلمان ممالک خود مختار کہلاتے ہیں وہ بھی عالمی سطح پر امریکہ، برطانیہ وغیرہ کے زیرنگیں خود کوئی فیصلہ کرنے کی طاقت سے محروم ہیں۔ نہ وہ اپنا فیصلہ دوسروں پر نافذ کر سکتے ہیں نہ اپنے اوپر امریکہ، برطانیہ وغیرہ کی طرف سے تھوپے جانے والے کسی فیصلہ سے گریز کر سکتے ہیں۔ جو مسلمان اقلیّت میں ہونے کی وجہ سے فیصلہ کن طاقت سے محروم ہیں اپنے ملکوں میں آبادی میں اپنے تناسب کے اعتبار سے بھی حکمرانی میں شریک نہیں ہیں۔

ضروری ہو گیا ہے کہ مسلمان، خواہ وہ مسلم ممالک کی حکومتیں اور ان کے عوام ہوں یا اقلیتی ممالک کے عام مسلمان اور ان کی دینی اور سیاسی قیادت ہو، موجودہ حالات کے پیش نظر کتاب و سنّت سے ازسرنو رہنمائی حاصل کریں۔ اس کے بغیر وہ اس بڑے مقصد کی خدمت نہیں کر سکتے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ نئی رہنمائی اس لیے بھی ضروری ہے کہ قدیم فکر کے زیر اثر بعض مسلمان افراد اور گروہ غلط راہ پر جا پڑے ہیں۔ وہ عام انسانوں کے ساتھ داعیانہ تعامل کی راہیں نکالنے کی بجائے امریکہ، برطانیہ اور بعض دوسرے ممالک کے حکمران ٹولے کی جارحیت کا حوالہ دے کر پورے مغرب کو دشمن اسلام قرار دیئے ہوئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں مسلمان وہی دفاعی پوزیشن اختیار کرنے لگتے ہیں جس میں اقلیتی ملکوں کے مسلمان پہلے سے مبتلا ہیں۔ یہ دفاعی پوزیشن انھیں داعیانہ کردار کے لیے ناکارہ بنا دیتی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر المیہ یہ پیش آیا ہے کہ بعض مسلمان گروہ اہل مغرب پر حملہ آور ہونے کو بہترین دفاع قرار دے کر وہ کاروائیاں شروع کر دیتے ہیں جن کا سلسلہ پندرہ، بیس برس سے بعض افریقی ممالک، سعودی عرب، فلپین، انڈونیشیا امریکہ وغیرہ میں جاری ہے۔ انہی کارروائیوں کو بنیاد بنا کر امریکہ اور برطانیہ کے موجودہ حکمرانوں نے افغانستان اور عراق کو جارحیت کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ خود ان مغربی ممالک کے لاکھوں انسانوں نے جس طرح ان جارحانہ کارروائیوں کے خلاف احتجاج کیا اس سے ہمیں ایک دوسرا ہی اشارہ ملتا ہے۔ یوں کہ ہم مغرب سے برسرجنگ ہونے کے غلط مفروضے پر صف آرائی کرتے ہوئے اپنے اصل مشن کو پس پشت ڈال دیں، بلکہ الٹے ایسے طریقے اختیار کریں جس سے انسانوں کی نظر میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی تصویر بگڑے، ہمیں ان لاکھوں انسانوں کی ہمدردی اور اپنی مظلومیّت کے سہارے اسلام کی صحیح تصویر ابھارنے اور اس کی تعلیمات کا دامن ان تشدد بھری کارروائیوں سے پاک دکھانے کی کوشش کرنی چاہیے جو چند نادان دوست انجام دے رہے ہیں۔

## اسلامی سماج میں خواتین کے کردار کی بحالی

اُوپر ہم نے دیکھا کہ کس طرح ایک خاص دور کے فقہی احکامات کو غیر مسلم انسانیت کے ساتھ مسلمانوں کے تعلّقات کی دائمی اور عمومی اساس سمجھ بیٹھنے کی غلطی عام انسانیت کے باب میں مقاصدِ شریعت سے غفلت اور بسا اوقات ان کی خلاف ورزی پر منتج ہوئی۔ اسی طرح مسلم معاشرہ میں خواتین کے رول پر اجنبی ماحول میں احتیاط اور سدّباب کے ذریعہ کیے گئے اقدامات کے ایسے دبیز غلاف چڑھ گئے ہیں جو مقاصدِ شریعت کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ آج حال یہ ہے کہ امت کے جس مشن کی انجام دہی میں مرد اور عورت برابر کے شریک قرار دیئے گئے تھے مسلمان عورتوں کو اس سے معزول کر دیا گیا ہے۔ عورت کا مقام گھر کے اندر ہے جیسے کلیہ کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ غیرمسلم انسانیت سے، بشمول ان کی عورتوں کے، مسلمان عورت کا کوئی ربط باقی نہ رہا۔ ایسی حالت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان عورت اپنے آپ کو درج ذیل آیات کی مخاطب سمجھے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرے:

**کنتم خیر امّة اخرجت للنّاس، تامرون بالمعروف و تنهون عن ا لمنکر و تؤمنون باللہ..... [آل عمران:۱۱۰]**

(تم دنیا میں وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانیت کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)

**والمؤمنون والمؤمنٰت بعضهم اولیآءُ بعض، یامرون بالمعروف وینهون عن المنکر--- [توبہ:۷۱]**

(مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہوکر نیکی کا حکم دیتی ہیں اور بدی سے روکتی ہیں)

اس مقالہ میں اس تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں کہ اخرجت للناس سے 'عورت کا دائرہ کار گھر کے اندر کا تاریخی سفر کن مراحل سے گزرا اور ہر مرحلہ میں وقتی مصالح، مقامی عادات اور اجنبی اثرات کو کتنا دخل تھا۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا اصل کردار وہ ہے جو محولہ بالا آیات سے سامنے آتا ہے اور اس موضوع پر تشفی بخش لٹریچر موجود ہے کہ عہدِ رسالت کس طرح اس کا آئینہ دار تھا۔۵۷ یہاں صرف اس بات پر زور دینا مقصود ہے کہ عورت جملہ اسلامی آداب معاشرت کی پابندی کے ساتھ عامۃ الناس کی نسبت سے اسلامی مشن کی انجام دہی میں حصہ لے سکتی ہے۔ کب، کیا اور کیسے کا فیصلہ

انفرادی حالات اور مقامی ضروریات کے تحت کیا جا سکتا ہے اور یہ فیصلہ عورتیں خود بھی کر سکتی ہیں۔

مسلمان عورت کو کارِدعوت میں برابر کا شریک سمجھنے کا اثر صرف غیر مسلم دنیا سے ہمارے تعامل تک نہیں محدود رہے گا بلکہ اس کا اثر ہمارے گھروں اور محلوں پر بھی پڑے گا۔ تبدیلی رفتہ رفتہ آئے گی لیکن پھر وہ نمونے کا ڈھانچہ (Steriotype) ٹوٹ جائے گا جس کا حوالہ دے کر ساری دنیا کی عورتوں کو اسلام سے بدظن کر دیا گیا ہے۔ اس نمونے کے ڈھانچے میں مسلمان گھرانے میں مرد حاکم ہوتا ہے اور عورت تابع مطلق، زندگی کا نقشہ کچھ ایسا بنتا ہے گویا یہ کائنات مردوں کی آماج گاہ ہے اور عورتیں مردوں کے لیے بنائی گئی ہیں۔ مسلمان معاشرہ میں عورت کے حقیقی کردار کی بحالی کے ساتھ ان بہت سے جزئی فقہی احکام پر بھی نظر ثانی کی جا سکے گی جن میں ابتدائی زمانہ کے عربوں کے عرف و عادت کا لحاظ رکھا گیا تھا، جنھیں قرآن کریم کی طرف سے دوام کی سند حاصل نہیں ہے۔ یہ نظر ثانی اگر مذکورہ بالا مقاصدِشریعت کے پیش نظر ہوگی تو اکیسویں صدی کا مسلمان معاشرہ مسلمان عورت کے لیے ایک نیا ضابطہ آداب مرتب کر سکے گا جسے جمہور کی رضامندانہ تائید اور رضاکارانہ تعمیل حاصل ہو سکے گی۔

## گلوبلائزیشن کے پیدا کردہ مواقع سے اسلام کے حق میں کام لینا

رسل و رسائل اور مواصلات کے اندر انقلابی تبدیلیوں نے فاصلے ختم کر دیے ہیں۔ ہر جگہ کے لوگوں کو دوسری جگہ کے لوگوں کا حال اور ان کے خیالات آسانی سے معلوم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس سے ساری دنیا میں نئی امنگیں اور نئے حوصلے پیدا ہو رہے ہیں۔ جو ترقی زمین کے ایک گوشے میں دکھائی دیتی ہے دوسرے گوشے کے لوگ سوچتے ہیں ہم بھی ایسے بن سکتے ہیں۔ جو آزادیاں ایک جگہ میسر ہیں دوسری جگہوں کے لوگ بھی انھیں حاصل کرنا اپنے لیے ممکن سمجھتے ہیں۔ لوگوں کے لیے مشترکہ مقاصد کی خاطر باہم تعاون کرنا پہلے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہوگیا ہے۔ ظلم کے خلاف احتجاج ہو یا انصاف کا مطالبہ، دور دراز کے لوگوں کا یک زبان ہو کر اٹھ کھڑے ہوجانے میں اب زیادہ دیر نہیں لگتی۔ دنیا کے سکڑ کر ایک گاؤں جیسی ہوجانے کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ زندگی کی معروف بھلائیوں کی طلب میں کوئی پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔ کسی کو یہ گوارا نہیں کہ وہ انسانی عزو شرف، بنیادی آزادیوں، عدل و انصاف اور حاجات زندگی کی تکمیل سے محروم رہے یا اس کے ساتھ برابری کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ مگر بدقسمتی سے دنیا میں چھایا ہوا سرمایہ دارانہ نظام اور اس کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے مغرب کے ترقی یافتہ ممالک کے طرز زندگی میں کچھ ایسی خرابیاں پائی جاتی ہیں جو ساری دنیا کے

انسانوں کے ان حوصلوں کے پورے ہونے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ ذاتی منفعت کی بیش از بیش تحصیل سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی محرک قوت ہے۔ مگر یہ قوت کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں دوسرے افراد انسانی کے مفاد سے ٹکراتی ہے اور انسانی سماج کے اجتماعی مصالح کی تحصیل سے قاصر رہتی ہے۔ سرمایہ دارانہ فکر کا دامن کسی ایسی بنیاد سے خالی ہے جو انسان کو دوسرے انسانوں کے مفاد اور اجتماعی مصالح کا لحاظ رکھنا سکھائے۔ یہ کام اخلاق کا ہے، اور اخلاق کے لیئے ٹھوس دائمی بنیاد روحانیت فراہم کرتی ہے جس سے سیکولر مادیت محروم ہے۔

مغربی سرمایہ داریت کی دوسری بڑی کمزوری وہ تسلط پسندی اور اس سے پیدا ہونے والے دوہرے معیار ہیں جو اس نے اختیار کر رکھے ہیں۔ ایشیا اور افریقہ کے ساتھ تعامل میں یورپ اور پھر امریکہ نے کبھی کھلے دل سے برابری کا سلوک نہیں کیا۔ پہلے کی طرح آج گلوبلائزیشن کے نئے دور میں بھی وہ اپنے سے باہر کی انسانیت کو اپنا تابعدار رکھنا چاہتے ہیں۔ اس خرابی کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ مغربی سرمایہ داریت ان مابعد الطبیعی افکار کے چوکھٹے سے باہر نکل چکی ہے جو بنی نوع انسان کے ایک خاندان قرار پانے اور سارے انسانوں کے بھائی بھائی ہونے کی بنیاد بنتا ہے۔

اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ عقیدۂ توحید کے زیر سایہ سماجی مساوات، معاشی عدل اور جمہوریت کو مضبوط بنیادیں فراہم کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی وہ اسلام سے باہر کے لوگوں کے لیے آزادئ ضمیر کے ساتھ جینے کا حق تسلیم کر کے تکثیری معاشرہ (plural society) کے لیے میدان وسیع کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر، گلوبلائزیشن دنیا کے سارے انسانوں، بالخصوص ایشیا اور افریقہ کے عوام میں جو امنگیں اور حوصلے پیدا کر رہا ہے ان کو پورا کرنا صرف اسلام کے لیے ممکن ہے۔ البتہ یہ خواب جبھی شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے جب اسلام کے علمبردار اپنے موجودہ طور طریقے بدل کر اسلام کے ترجمان بن جائیں۔ مسلمانوں کو ایک نئی شناخت حاصل کرنی ہوگی جو توحید، مکارم اخلاق، سماجی مساوات، معاشی عدل اور سچی جمہوریت کی آئینہ دار ہو۔

ہماری مشکل یہ ہے کہ آج ہم نہ صرف یہ کہ اس شناخت سے محروم ہیں بلکہ عام انسانوں کو ہمارے اندر کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس سے یہ معلوم ہو کہ ہمیں ان کی بھلائی مقصود ہے، ہم ان کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم افراد ہوں یا حکومتیں، دوسروں کے سامنے زیادہ تر لینے والے کی حیثیت سے آتے ہیں نہ کہ دینے والے کی حیثیت سے۔ باہر والوں کی نسبت سے ہم زیادہ تر اندیشہ ناک اور خائف نظر آتے ہیں، جس کے نتیجہ میں اپنے خول کے اندر سمٹ کر اپنا بچاؤ کرنے کا رجحان

پیدا ہوتا ہے اور اس بچاؤ کے لیئے ہماری حکومتیں انھیں مغربی طاقتوں کا سہارا ڈھونڈتی ہیں جن کے ستم سے دنیا پریشان ہے۔

معاصر دنیا کو اسلام کے ابتدائی زمانہ کے مقابلہ میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ پچاس سے زیادہ ان ممالک کے علاوہ بھی جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، دنیا کے سو سے زیادہ باقی ممالک میں بھی مسلمان بستے ہیں۔ ان میں سے اکثر ملکوں میں مسلمانوں کو دوسروں کے برابر حقوق حاصل ہیں۔ البتہ کچھ تاریخی اسباب کی بنا پر اور آج کل کچھ نئے حادثوں کی وجہ سے غیر مسلم اکثریتوں کے دل میں مسلمان اقلیتوں کی طرف سے شک و شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ ان بے بنیاد شبہوں کے ازالہ کے بغیر مسلمان وہ نئی شناخت نہیں پیدا کر سکتے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور جو مسلمانوں کے امت اسلامیہ کے مشن کے لیے کام کر سکنے کی شرط بن چکا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں جرمنی کے مسلمانوں نے ایک چارٹر شائع کیا ہے جس کا مقصد برادرانِ وطن کو اس بات کی یقین دہانی ہے کہ مسلمان بھی بنیادی اخلاقی قدروں اور اجتماعی زندگی کے معروف آداب کے اسی طرح پابند ہیں جیسے وہ لوگ۵۸۔ انسانوں کے درمیان اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں پھیلائے گئے حالیہ شبہات کے ازالہ اور حسن ظن اور اعتماد کی بحالی کے لیئے مقاصدِ شریعت کی روشنی میں کی جانے والی کوشش کی یہ ایک اچھی مثال ہے۔

## حواشی

۱۔ امام الحرمین الجوینی: البرہان فی اصول الفقہ ۔ قاہرہ، ۱۴۰۰ھ۔ تحقیق عبدالعظیم الدیب۔ جلد۲، صفحات ۷۶۸۔۷۹۰، ۸۲۸، ۹۲۳۔۹۲۵، ۹۳۷ اور ۱۳۳۸ نیز ملاحظہ ہو: احمد الریسونی:نظریۃ المقاصد عند الا مام الشاطبی۔ ریاض، الدار العالمیہ للکتاب الاسلامی،۱۹۹۲ء

۲۔ امام الحرمین الجوینی: الغیاثی (غیاث الامم فی التیاث الظلم) قطر،۱۴۰۱ھ

۳۔ ایضاً: مقدّمہ از عبدالعظیم الدیب۔ صفحہ ۶۰

۴۔ ایضاً: صفحہ ۱۸۰۔۱۸۱

۵۔ ایضاً: صفحہ ۲۱۲ اور صفحات ۲۶۶۔۲۶۷ وغیرہ

۶۔ ایضاً:صفحہ ۲۳۷۔۲۳۲

۷۔ ایضاً: صفحہ ۲۶۷۔۲۶۶.فقرہ ۳۷۸

۸۔ ابو حامد الغزالی: المستصفیٰ فی اصول الفقہ، قاہرہ، مطبعہ امیریہ، بولاق، ۱۳۲۲ھ، جلد ۱،صفحہ ۲۸۷

۹۔ ایضاً: جلد ۱، صفحہ ۳۱۰

۱۰۔ ابو حامد الغزالی: المستصفیٰ فی اصول الفقہ، قاہرہ، مطبعہ امیریہ، بولاق، ۱۳۲۲ھ، جلد ۱، صفحہ ۳۱۱

۱۱۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے فقہی کارناموں میں مصالح مرسلہ اور استحسان کی اہمیت سمجھنے کے لیے ابوزہرہ کی کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا:

محمد ابو زہرہ: الامام ابو حنیفہ ۔ قاہرہ، دارالفکر العربی، ۱۹۷۷ء

محمد ابو زہرہ: مالک ،قاہرہ، دارالفکر العربی، ۱۹۵۲ء

۱۲۔ ابو اسحٰق شاطبی: الموافقات فی اصول الشریعہ، جلد ۱، صفحہ ۵ اور صفحہ ۷۸

۱۳۔ ایضاً: جلد ۲، صفحہ ۲۵

۱۴۔ ایضاً: جلد ۴، صفحہ ۸۹

۱۵۔ ایضاً: جلد ۴، صفحات ۲۷۔۳۰

۱۶۔ ابو اسحٰق شاطبی: الموافقات فی اصول الشریعہ، جلد ۳ صفحہ ۱۶۲

۱۷۔ ایضاً: جلد ۳، صفحہ ۱۶۳

۱۸۔ ایضاً: جلد ۳، صفحہ ۱۶۵

۱۹۔ ایضاً: جلد ۴، صفحہ ۲۳۳

۲۰۔ ایضاً: جلد ۴، صفحہ ۲۳۸

۲۱۔ عزالدین ابن عبدالسلام: قواعد الاحکام فی مصالح الانام۔ قاہرہ، مطبعہ حسینیہ، ۱۹۳۴ء، تقی الدین احمد بن تیمیہ: السیاسۃ الشرعیہ فی احکام الراعی والرعیہ۔ دارالکتاب العربی، مصر ،۱۹۵۵ء

ایضاً: مجموعۃ الرسائل والمسائل، بیروت، الدارالعلمیہ، ۱۹۸۳ء

شمس الدین محمد ابن القیم: اعلام الموقّعین عن ربّ العالمین، المطبعۃ المنیریہ، مصر۔بلا تاریخ

ایضاً: الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ، مطبعۃ الموئید، مصر، ۱۳۱۸ھ

۲۲۔ ابن تیمیہ: مجموعۃ الرسائل والمسائل۔جلد ۴۔۵، صفحات ۱۷۴۔۱۷۵

۲۳۔ ایضاً۔ نیز ملاحظہ ہو ابو زہرہ کی کتاب: ابن تیمیہ، قاہرہ، دارالفکر العربی۔بلاتاریخ

۲۴۔ ابن القیّم: اعلام الموقّعین، جلد ۳، صفحہ ۱۔

۲۵۔ ایضاً: جلد ۴، صفحہ ۳۰۹۔ ۳۱۱

۲۶۔ عزالدین ابن عبد السلام: قواعد الاحکام، صفحہ ۴

۲۷۔ ایضاً: صفحہ ۶۵۔۶۶

۲۸۔ ابن تیمیہ: مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ریاض، ۱۳۹۸ھ۔جلد ۳، صفحہ ۱۱۷

۲۹۔ شہاب الدین احمد القرافی: الفروق، بیروت، عالم الکتاب، ۱۳۴۷ھ، جلد۱،صفحہ ۱

۳۰۔ علی احمد الندوی: القواعد الفقہیہ، دمشق، دارالقلم، ۱۹۹۴ء

۳۱۔ شاہ ولی اللہ دہلوی: حجۃ اللہ البالغہ، بیروت، دار المعرفہ، بلاتاریخ۔ جلد ۱، صفحہ ۹۵

۳۲۔ ایضاً: جلد ۲، صفحہ ۱۷۷

۳۳۔ اس نکتہ پر ملاحظہ ہو، مظہر بقاً: اصول فقہ اور شاہ و لی اللہ۔ اسلام آباد، ادارۂ تحقیقات اسلامی، ۱۹۷۳ء۔ صفحہ ۲۷۱۔۲۷۲

۳۴۔ محمد الطاہر بن العاشور: مقاصد الشریعۃ الا سلا میہ۔ تیونس، ۱۳۶۶ھ۔ صفحہ ۶۳

۳۵۔ ایضاً: صفحہ ۱۸۸

۳۶۔ اسماعیل الحسنی: نظریۃ المقاصد عند الامام محمد الطاہر ابن العاشور۔واشنگٹن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۵ء۔ صفحہ ۶

۳۷۔ علال الفاسی: مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ و مکارمہا۔ الدار البیضاء، ۱۹۸۳ء۔ صفحہ ۷

۳۸۔ احمد الخملیشی: وجھۃ نظر۔مطبعۃ النجاح الجدید، الدار البیضاء، ۱۹۸۸ بحوالہ احمد الریسونی، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، صفحہ ۳۵۸

۳۹۔ محمد سعد بن احمد بن مسعود الیوبی: مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ و علاقتہا بالا د لۃ الشرعیہ۔ ریاض، دار الھجر ہ، ۱۹۹۵ء احمد الریسونی: نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی۔ واشنگٹن، المعہد العالمی للفکرالاسلامی، ۱۹۹۲ء

۳۹(ا) محمد مصطفیٰ ا لزحیلی مقاصد الشریعہ۔صفحہ ۳۱۵

۳۹(ب) ماذن ھاشم۔ حوالہ انگریزی کتابیات میں ملاحظہ ہو۔

۳۹(س) ابراہیم الکیلانی، فی مظاہر التجدید فی المبحث المقاصدی۔ حوالہ انگریزی کتابیات میں ملاحظہ ہو۔

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ الجوینی: الغیاثی، صفحہ ۲۰۱۔۲۰۲، ابن القیم: اعلام الموقعین، جلد ۴، صفحہ ۳۷۳۔۳۷۵

۴۲۔ احمد الخملیشی: وجھۃ نظر۔الدار البیضاء، مطبعۃالنجاح۔۱۹۸۸ء بحوالہ احمد الریسونی، صفحہ ۳۵۸ اور اسماعیل الحسنی، صفحہ ۶۱

۴۳۔ ترمذی: سنن، ابواب الفرائض، ماجاء فی میراث المال

۴۴۔ ایضاً، ابواب النکاح؛ ابو داوٗد: سنن، کتاب النکاح

۴۵۔ عزالدین ابن عبد السلام: قواعد الاحکام فی مصالح الانام جلد ۱، صفحہ ۱۴۸

۴۶۔ ملاحظہ ہو، محمد نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہء ملکیت، صفحہ ۴۰۶۔۴۵۴۔ دہلی، مرکزی مکتبہء اسلامی، ۱۹۹۴

۴۷۔ الجوینی: الغیاثی، صفحہ ۲۳۲۔ نیز ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰۲ اور صفحہ ۲۴۴

۴۸۔ محمد نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہء ملکیت، صفحہ ۴۵۵۔۴۶۸

۴۹۔ الجوینی: الغیاثی، صفحہ ۲۱۲

۵۰۔ طاہر بن العاشور: صفحہ ۶۳

۵۱۔ بیت اللہ شریف میں کعبہ کی عمارت اور مقام ابراہیم کے درمیان نیچی دیوار سے گھیری ہوئی جگہ جس کو طواف کرتے وقت اپنے بائیں طرف رکھنا ضروری ہے۔

۵۲۔ محمد بن اسماعیل البخاری: صحیح۔کتاب الحج، باب فضل مکۃ و بنیانہا۔ بیروت، المکتبۃ العصریہ۲۰۰۲، جلد اوّل، صفحہ۴۷۲، حدیث نمبر۱۵۸۵

۵۳۔ تفصیلات کے لیئے ملاحظہ ہو، ابو عبید: کتاب الاموال، صفحہ ۵۹۔قاہرہ ۱۳۵۳ھ

۵۵۔ ابو اسحاق شاطبی: الموافقات، جلد ۱، صفحہ ۲۸۹۔۲۹۰

۵۶۔ اسلامی فقہ اکیڈمی، جدّہ۔

۵۷۔ عبد الحلیم ابو شقہ: تحریر المرئۃ فی عصر الرسالہ۔کویت، دار القلم ،۱۹۹۰، ۶ جلدیں

۵۸۔ انگریزی سہ ماہی، انکاؤ نٹرس (لیسٹر،انگلستان) جلد ۸، شمارہ ۲، ستمبر ۲۰۰۳، صفحہ ۱۷۹۔۱۸۴

-----------